تفسیر عروۃ الوثقیٰ (از عبدالکریم اثری) کا تنقیدی مطالعہ

Critical Study of Tafsīr Urwah-tul-Wusqā by Abdul Karīm Asrī

Abbas Ali Raza*
Ph.D. Scholar,
Dept. Of Islamic Studies,
Lahore Garrison University.
E-mail: abbasaliraza@lgu.edu.pk

Dr. Muhammad Zohaib Hanif**
Subject Specialist,
The Aga Khan Examination Board,
Karachi.
E-mail: zohaib.hanif@aku.edu.pk

Dr.Hafiz Faiz Rasool***
Assistant Professor
Dept. Of Islamic Studies,
Lahore Garrison University.
E-mail: drhfrasool@lgu.edu.pk

Abstract:

Islam covers all the aspects of life either it is related to social, political, economic, or personal matters. It interprets and demonstrate all solutions verbally and practically. There are many famous personalities who left no stone unturned to work on Quranic tafsīr. Among all those personalities who were born in the subcontinent which are also known for their distinctive attributes, made continuous hard work to enhance positivity towards Islam and inspire no religious people. Hence, it is difficult to find one of an exemplary character among all those personalities. When Qur'anic interpretations are discussed, the highlighted work of the most prominent personality who also influenced people religiously name of "Maulana Abdul Karim Asri" appears. He is remembered for his precious work related to the Holy Qur'an. He spent his whole life in the study of the Holy Qur'an and its interpretation. He is one of the sole sources of spreading Qur'anic education in public. Although, there are many aspects of his Tafseer(Tafsir Urwa-Tul-Wusqa) yet, the main feature is "Raai". The Tafsir incorporates the ideology of Sir Syed Ahmad Khan and Ghulam Ahmed Pervez to blend traditional thought with modernization. He demanded Muslims scholars to adopt a difference route and think about lot of issues in this way. Islamic research Furthermore, Maulana includes lughat, ahadiths and opinion (Raai) in his Tafseer. Here some of the Tafseeri characteristics of his Tafseer will be discussed.

Key words: Usloob e tafseer, Naskh o Mansookh, People of the book (Ahl e Kitab) and Surah Abasa.

ہندوستان اور پاکستان کی مٹی کا یہ خاصہ رہا ہے کہ یہاں کی مٹی نے ایسی شخصیات پیدا کی ہیں کہ شاید ہی دنیا کے کسی خطے میں اس کی نظیر ملے، خاص کر مذہبی بات ہو تو اس مٹی نے بڑی بڑی شخصیات پیدا کیں جنھوں نے اپنے کام سے لوگوں پر ایسا اثر چھوڑا کہ جس کے نقوش شاید ہی کبھی مٹ سکیں۔ اُن شخصیات میں سے ایک 'مولانا عبدالکریم اثری' ہیں۔ مولانا اثری ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے اور انھوں نے دینِ اسلام کی ترویج واشاعت کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ آپ نے ہر موضوع پر قلم اٹھایا خاص کر آپ کی تفسیر (عروۃ الوثقیٰ) نے لوگوں پر گہرے اثرات مرتب کیے۔۔ یہاں مولانا کی تفسیر 'عروۃ الوثقیٰ' پر ایک تنقیدی مطالعہ پیش کیا جائے گا۔ تفسیر عروۃ الوثقیٰ نو جلدوں پر مشتمل ہے جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

جلد اول: سورۃ الفاتحہ تا سورۃ البقرہ۔ جلد دوم: سورۃ آل عمران تا سورۃ النساء۔ جلد سوم: سورۃ المائدۃ تا سورۃ الاعراف۔

جلد چہارم: سورۃ الانفال تا سورۃ ابراہیم۔ جلد پنجم: سورۃ الحجرت تا طٰہٰ۔ جلد ششم: سورۃ الانبیاء تا سورۃ القصص۔

جلد ہفتم: سورۃالعنکبوت تاسورۃالمومن۔ جلد ہشتم: سورۃ حٰم السجدہ تاسورۃالواقعہ۔ جلد نہم: سورۃالحدید تاسورۃالناس۔

اس تفسیر کو مکتبہ الاثریہ، جناح اسٹریٹ گجرات، پاکستان نے چھاپاہے اور اس تفسیر پر سنہ اشاعت کچھ اس طرح درج ہے:

جلد اول: ۱۹۹۴ء، جلد دوم: اشاعت اول جولائی ۱۹۹۵ء، جلد سوم: اشاعت اول فروری ۱۹۹۶ء، جلد چہارم: اشاعت اول، جولائی ۱۹۹۶ء، جلد پنجم: اشاعت اول مارچ ۱۹۹۷ء، جلد ششم: اشاعت اول، جولائی ۱۹۹۷ء، جلد ہفتم: اشاعت اول سن ندارد، جلد ہشتم: اشاعت اول، مئی ۱۹۹۸ء، جلد نہم: اشاعت اول، اگست ۱۹۹۸ء۔

اسلوبِ تفسیر:

یہ تفسیر، تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائے کا حسین امتزاج ہے۔ روایاتِ صحیحہ جگہ جگہ اس تفسیر میں نظر آتی ہیں لیکن جو روایت قرآن سے ٹکرا جائے، اثری صاحب اس کو قبول نہیں کرتے اور پھر وہاں عقلی دلائل دیتے ہیں۔ مولانا سند کے علاوہ نفس مضمون کو دیکھتے ہیں، وہیں سے روایت کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ از روئے قرآن کرتے ہیں۔ پھر تفسیر میں جگہ جگہ سلف کی آراء پر بھی تنقید کرتے ہیں۔ تفسیر میں بہت سے مقامات ایسے ہیں (آگے تفصیل میں آئیں گے) جہاں اثری صاحب اپنا ایک خاص تفرد رکھتے ہیں۔

ترجمہ:

تفسیر عروۃالوثقیٰ میں ترجمہ کو دیکھا جائے تو صاحبِ تفسیر نے تو مولانا ابوالکلام آزاد سے لیا ہے وہ لکھتے ہیں:

> ”ترجمہ کو دراصل مفہوم کے نام سے یاد کرنا زیادہ موزوں ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم سے مستعار لیا لیکن بعض مقامات پر دوسرے علمائے کرام اور مترجمین حضرات سے استفادہ کیا گیا اس لیے مکمل نسبت علامہ آزاد کی طرف کرنا مناسب خیال نہ سمجھا۔“[1]

لیکن بہ حیثیتِ مجموعی دیکھا جائے تو ترجمہ میں مولانا نے 'ابوالکلام آزاد' کا اثر نمایاں ہے۔

تفسیر عروۃالوثقیٰ کے تفسیری محاسن

ناسخ ومنسوخ:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”مَانَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْنُنْسِهَانَاْتِ بِخَيْرٍمِّنْهَآاَوْمِثْلِهَا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْر“(۲:۱۰۶)

”احکام سے جو بدل دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس جگہ اس سے بہتر یا اس جیسا حکم نازل کر دیتے ہیں یہ حیرانی کی بات نہیں کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ نے ہر ایک چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کیا ہوا ہے۔“(ترجمہ عبدالکریم اثری)

---

[1] عبدالکریم اثری، عروۃالوثقیٰ، کراچی، مکتبہ اثریہ، ۱۹۹۴ء، ۶/۱۔
Abdul Karīm Asarī, *Urwah Al-Wusqā*, Karachi, Maktabah Asariah, 1994, 6/1

ناسخ و منسوخ کی بحث میں مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے قرآن کریم کی بہت سی آیات کو منسوخ مانا ہے کسی نے 'سو' کسی نے 'پانچ سو'، مگر شاہ ولی اللہ نے صرف 'پانچ' آیات کو منسوخ مانا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور اس میں براہ راست کوئی حکم منسوخ سے متعلق نہیں ہے۔ صاحب تفسیر تبیان القرآن 'علامہ غلام رسول سعیدی' ناسخ و منسوخ سے متعلق لکھتے ہیں:

"تمام سلف کا اس پر اجماع ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں نسخ واقع ہے اور قرآن مجید میں بعض آیات ایسی ہیں جن کے احکام منسوخ ہو چکے ہیں۔"[1]

ناسخ و منسوخ کی حکمت بیان کرتے ہوئے 'علامہ غلام رسول سعیدی' صاحب لکھتے ہیں:

"اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ ان آیات کو باقی رکھا گیا ہو اور ان کے حکم کو منسوخ کر دیا گیا ہے؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ جس طرح قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے کہ اس سے ایک شرعی حکم معلوم کیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے اسی طرح اس کی اس لیے تلاوت کی جاتی ہے کہ اللہ کا کلام ہے اور اس کی تلاوت سے ثواب ملتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ بالعموم احکام میں نسخ تخفیف کے لیے ہوا ہے۔"[2]

صاحب تفسیر 'عروۃالوثقیٰ' کی تحقیق:

مولانا عبدالکریم اثری نے قرآن میں کسی بھی قسم کے نسخ کا دلائل سے انکار کیا ہے، سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۰۶ سے متعلق لکھتے ہیں:

"سب سے پہلے غور طلب امر سیاق و سباق آیت ہے۔ یہ تو ظاہر ہے اور جس طرح پیچھے سے آپ پڑھتے آرہے ہیں کہ یہود کا اعتراض تھا کہ یہ وحی بنی اسرائیل میں نازل ہونی چاہیے تھی یہ بنی اسمٰعیل میں کیسے سے نازل ہو گئی۔ لٰہذ جو وحی بنی اسمٰعیل میں نازل ہوئی تھی اس لیے حق ناحق دیکھے بغیر اس کا انکار کر دیا اور نہ صرف انکار کیا بلکہ وہ جس پر وحی نازل ہوئی اس کے اور وحی لانے والے کے خلاف ہو گئے اور ہر طرح کی شرارتیں اور منصوبے کرنے لگے۔ چونکہ درمیان میں شرارتوں، منصوبوں کا ذکر آ گیا اس لیے بات لمبی ہو گئی اور اس طرح ان کی ایک شرارت کا ذکر اور پھر اس کا جواب دینے کے بعد اصل مضمون کی طرف متوجہ کرنے کے لیے یہاں اشارہ کر دیا اور فرمایا کہ اصل اعتراض ان کو یہ ہے کہ تم پر یہ خیر و رحمت کیوں نازل ہوئی کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ اگر بنی اسرائیل کے کسی نبی پر نازل ہوتی تو حضرت موسیٰ کی شریعت منسوخ نہ ہوتی۔ اگرچہ یہ بھی ان کا گمان تھا جس طرح دنیاداروں کی سوچ ہوتی ہے بالکل اسی طرح یہ ان کی عامیانہ سوچ تھی تاہم انھوں نے اپنے دل میں یہ بطور یقین بات جمالی تھی کہ اب محمد رسول اللہ (ﷺ) پر نازل ہونے سے جو بنی اسمٰعیل میں سے ہے یہ بھی ضرور ہوا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کی شریعتِ منسوخ ہو اور پھر جب ان کی اپنی خواہشات واہوا کے خلاف حکم آیا تو انھوں نے اس بات پر محمول کیا، اصل میں تو اس اعتراض کا دیا گیا ہے کہ شریعتِ موسوی کے جو احکام منسوخ ہو گئے ہیں اس کی دلیل تو تمھارے اپنے ہی بنائے ہوئے تھے جو تم نے شریعتِ موسوی کے ذمہ لگا دیے اس کے لیے یہ بیان دیا گیا ہے کہ ہم

---

[1] سعیدی، غلام رسول، تبیان القرآن، لاہور، فرید بک سٹال، ۱/۷۷

Saeedī, Ghulām Rasool, *Tibyān-ul-Qur'ān*, Lahore, Farīd Book Stall, 77/1

[2] اثری، عبدالکریم، عروۃالوثقیٰ، ۱/۴۵۲

Asrī, Abdul Karīm, *Urwah Al-Wusqā*, 452/1

نے احکام میں سے جو بدل دیے ہیں اُن سے بہتر وہاں یعنی شریعتِ محمدی میں بتائے گئے ہیں یا کم از کم اس جیسے تو ہوں گے۔ ذرا غور کر کے ان کو دیکھو تو سہی گویا ان کی توجہ اصل مضمون کی طرف پھرائی گئی ہے جس کا صاف اور سیدھا مطلب یہ تھا کہ وہ احکام جو شریعتِ موسوی کے طور پر ان میں معروف تھے اور ان میں ردوبدل ناگزیر تھا کیوں کہ انھوں نے بہت کچھ اس میں تحریف کر لی ہوئی تھی اور بہت کچھ انھوں نے حق و باطل کو ملا دیا ہوا تھا۔"[1]

نسخ سے متعلق مزید لکھتے ہیں:

"خود نبی کریم ﷺ کا کوئی ارشاد نہیں کہ فلاں آیت منسوخ ہے۔ تو ایک مرحلہ اس سوال کا اسی جگہ طے ہو جاتا ہے کہ ہمارے پاس واقعی کوئی سند ایسی نہیں ہے جس کی بناء پر قرآن کریم کی ان آیات میں سے کسی آیت کو قرآن میں موجود ہیں منسوخ قرار دیا۔"[2]

ناسخ و منسوخ کے قائلین جس آیت سے مزید استدلال کرتے ہیں وہ یہ ہے:

"وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ"(۱۶:۱۰۱)

"اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری بدلتے ہیں۔"(مودودی)

اس آیت کے ضمن میں اثری لکھتے ہیں:

"یہ سورۃ بالاتفاق مکی ہے۔ مکہ میں کسی حکم کے منسوخ کیے جانے کا ذکر روایات میں نہیں ملتا کیوں کہ تفصیلی احکام دراصل نازل ہی مدینہ میں ہوئے۔ پس اس آیت سے استدلال کرنا اور پھر نسخ بھی ان آیات کا جو قرآنِ کریم میں موجود ہیں، غلط ہی نہیں بلکہ سراسر زیادتی ہے کیوں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی حکومتوں اور اداروں میں کسی حکم منسوخ کر کے اور دوسرا حکم جاری کر دینا مشہور و معروف بات ہے لیکن انسانوں کا احکام میں نسخ کبھی اس لیے ہوتا ہے کہ پہلے کسی غلط فہمی سے ایک حکم جاری کر دیا بعد میں حقیقت معلوم ہوئی تو حکم بدل دیا۔ کبھی اس لیے ہوتا ہے کہ جس وقت یہ حکم جاری کیا گیا اس وقت حالات کے مطابق تھا اور آگے آنے والے واقعات و حالات کا اندازہ نہ تھا جب حالات بدلے تو حکم بدلنا پڑا یہ دونوں صورتیں احکام الٰہی میں نہیں ہو سکتی اور اگر کوئی ایسا شخص قرآن کی آیات میں بھی تسلیم کرتا ہے تو اس کی یہ سوچ قرآن کریم کے بالکل منافی ہے۔"[3]

اثری صاحب کے بہ قول قرآنِ مجید میں کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔

---

[1] اثری، عبدالکریم، عروۃ الوثقیٰ، ۱/۴۵۴

Asrī, Abdul Karīm, *Urwah Al-Wusqā*, 454/1

[2] ایضاً، ۱/۴۵۵

Ibid, 455/1

[3] ایضاً، ۱/۴۴۶، ۴۴۷

Ibid, 446, 447/1

شاہ ولی اللہ نے جن پانچ آیات کو منسوخ مانا ہے اُن میں سے ایک سورۃ المجادلہ کی آیت نمبر ۱۲ ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ذٰلِكَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَاتٍ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلَاةَ وَاٰتُوا الزَّكَاةَ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَاللّٰهُ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔“(۵۸: ۱۲۔۱۳)

”اے ایمان والو! جب تم رسول کے کان میں کوئی بات کہو تو اپنی اس سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ کر لیا کرو یہ تمہارے لیے بہت بہتر اور پاکیزہ بات ہے پھر یا اگر تم مقرور نہ رکھتے ہو۔ تو مضائقہ نہیں۔ اللہ بڑا بخشنے والا، پیار کرنے والا ہے کیا تم ڈر گئے کہ سرگوشی کرنے سے پہلے خیرات کرنا پڑتی ہے پس جب تم یہ نہ کر سکے تو اللہ نے تمہارے حال پر رحم فرما دیا تو اب نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کو خوب علم ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔“(عبدالکریم اثری)

درج بالا آیات میں نمبر ۱۲ کو منسوخ مانا جاتا ہے کہ صدقہ کا حکم سرگوشی کے وقت پہلے تھا بعد میں یہ حکم آیت ۱۳ سے منسوخ کر دیا گیا۔اس ضمن میں مولانا عبدالکریم اثری لکھتے ہیں:

”اس طرح ان کے امتحان کے لیے لازمی کر دیا کہ اگر تم محمد ﷺ سے کوئی مشورہ چاہتے ہو اور علیحدگی میں ملاقات کرنا تمہارا ضروری ہے تو جو کچھ تم کو توفیق ہے اس ملاقات سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔۔۔اس لیے ان لوگوں پر یہ مشورہ بہت بھاری ہو گیا اس لیے یہ اگر کچھ خرچ کرتے ہیں تو مال ضائع ہو کہ اس طرح تو کسی کو بھی کچھ معلوم نہ ہو، کہ کس نے دیا اور کتنا دیا لیکن ان کے اندر کا چور، ان کو اپنے فاسد عقیدہ کے باعث القا کرتا تھا کہ اگر نہ دیا اور کہہ دیا کہ دیا ہے تو بھی محمد رسول ﷺ کو علم ہو ہی جائے گا۔۔۔۔بہر حال اس آیت نے خود ہی اس قانون کی وضاحت کر دی ہے کہ جو لوگ اس کی طاقت نہیں رکھتے ان کے لیے اللہ غفور الرحیم ہے۔اس قانون کی مزید وضاحت فرما دی ہے۔ جن لوگوں کے پاس مال نہیں ان کو کسی سے بات کرنے کی ممانعت نہیں کی جا رہی تم اس حکم سے کیوں ڈر گئے؟ اللہ تعالیٰ کسی پر ایسی پابندی نہیں لگاتا جو اس کے برداشت سے باہر ہو۔“[1]

ان دلائل سے جو نتائج نکلتے ہیں وہ کچھ اس طرح سے ہے:

- ناسخ و منسوخ کی بحث شروع سے چلی آ رہی ہے،
- مفسرین نے منسوخ آیات کی تعداد مختلف بیان کی ہیں،
- شاہ ولی اللہ نے پانچ آیات کو منسوخ مانا ہے،
- غلام رسول سعیدی صاحب کے نزدیک نسخ بالعموم تخفیف کے لیے واقع ہوا ہے،

---

[1] اثری، عبدالکریم، عروۃ الوثقیٰ، ۷۵/۱

Asrī, Abdul Karīm, *Urwah Al-Wusqā*, 75/1

- اثری صاحب کے نزدیک قرآنِ مجید کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے،
- ان کے نزدیک سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۰۶ در حقیقت یہود کے اعتراض کا جواب ہے،
- سورۃ النحل کی آیت نمبر ۱۰۱ جو تبدیلی کی بات کی جاتی ہے اثری صاحب کے نزدیک در حقیقت وہ مکی سورۃ ہے اور مکی سورتوں میں کوئی شرعی حکم موجود نہیں تو نسخ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا،
- نسخ سے متعلق حدیث میں کوئی صراحت نہیں،
- انسانی کاموں میں نسخ اُس وقت ہوتا ہے جب ان سے احکام میں کوئی غلطی سرزد ہو جائے، لیکن باری تعالیٰ ان تمام نقائص سے پاک ہے۔

اہل کتاب کے ساتھ کھانا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"اَلیَومَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِینَ اُوتُوا الکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُم وَطَعَامُکُم حِلٌّ لَّھُم" (۵:۵)

"آج تمام اچھی چیزیں تم پر حلال کر دی گئی ہیں اور ان لوگوں کا کھانا جنہیں کتاب دی گئی ہے تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔" (ترجمہ عبدالکریم اثری)

اہل کتاب سے مراد عام طور پر یہود و نصاریٰ مراد لیے جاتے ہیں مفسرین کرام کی بڑی جماعت نے یہ شرط عائد کی ہے کہ ذبیح اللہ پر غیر اللہ کا نام نہ لیا ہو، مثلاً صاحب تفہیم القرآن، سید ابوالاعلیٰ مودودی رقم طراز ہیں:

"اہل کتاب کے کھانے میں اُن کا ذبیحہ بھی شامل ہے ہمارے لیے اُن کا اور اُن کے لیے ہمارا کھانا حلال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے اور اُن کے درمیان کھانے پینے میں کوئی رکاوٹ اور چھوت چھات نہیں ہے لیکن عام اجازت دینے سے پہلے اس فقرے کا اظہار فرمایا گیا کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کر دی گئی اس سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب اگر پاکی و طہارت کے قوانین کی پابندی نہ کریں جو شریعت کے نقطہ نظر سے ضروری ہے یا اُن کے کھانے میں حرام چیزیں شامل ہوں تو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔ مثلاً اگر وہ خدا کا نام لیے بغیر کسی جانور کو ذبح کریں یا اس پر خدا کے سوا کسی اور نام لیا تو اسے لکھانا جائز نہیں ۔"[1]

عبدالکریم صاحب اہل کتاب کے ذبیحہ سے متعلق علمائے اسلام کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہود و نصاریٰ کے پادری، اہل دین جو کچھ کھانا بھی کھاتے ہیں بجز خنزیر کے وہ مسلمانوں کے لیے حلال ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کی ذبیحہ پر یہ شرط عائد نہیں کی گئی کہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اور وہ اہل اسلام کے طریقہ پر ذبح کیا گیا ہو۔"[2]

وہ مزید لکھتے ہیں:

---

[1] اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، پاکستان تاریخ اشاعت، نومبر 2009ء۔ ذیقعد 1430ھ، ۱۹۶/۹
Islāhī, Amīn Ahsan, *Tadabbur Al-Qur'ān*, Lahore, Fāran Foundation, 2009, 196/9

[2] مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، سن اشاعت ۱۹۸۶ء، جلد ششم، ص: ۵۲۰
Moudūdī, Syed Abul Ālā, *Tafhīm Al-Qur'ān,* Lahore, Tarjamān-ul-Qr'ān Institute, 2nd ed.2008, 520/6

"اللہ تعالیٰ کا یہ حکم اس امر کی صریح دلیل ہے کہ اہل کتاب کا جوبعام بھی ہوان کا ذبیحہ اور غیر ذبیحہ دونوں شامل ہیں۔ مسلمانوں کے لیے حلال ہے۔اہل کتاب اللہ کا نام لیتے ہیں یا نہیں یہ اللہ کے علم میں ہے۔ہمارے لیے تواللہ تعالیٰ نے ان کا کھاناحلال قرار دیاہے۔خواہ وہ تسمیہ کے ساتھ ہو یا بغیر تسمیہ کے۔"[1]

اپنی دلیل میں روایت سے ایک مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایک بار امام شعبیؒ اور عطاءؒ سے دریافت کیا گیا کہ اگر نصاریٰ مسیح کے نام پر ذبح کریں تو کیا اس جانور کا گوشت مسلمانوں کے لیے حلال ہے؟ تواُن دونوں نے جواب یہ دیا کہ ہمارے لیے حلال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے ذبیحہ کو ہمارے لیے جب حلال کیاہے تو اس کے علم میں تھا کہ نصاریٰ بوقت کس کا نام لیتے ہیں۔"[2]

اثری صاحب کی یہ سوچ ایک نئے زاویے کی طرف راہ نمائی کرتی ہے کہ مزید اس پر تحقیق کی جائے کہ آیا کہ اہلِ کتاب کا ذبیحہ'بلاتذکیہ' ہمارے لیے جائز ہے کہ نہیں۔

'عَبَسَ' کا مصداق:

سورۃ عبس کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"عَبَسَ وَتَوَلَّى،أَن جَاء هُ الْأَعْمَى، وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّى،أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنفَعَهُ الذِّكْرَى،أَمَّا مَنِ اسْتَغْنَى،فَأَنتَ لَهُ تَصَدَّى،وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكَّى،وَأَمَّا مَن جَاء كَ يَسْعَى، وَهُوَ يَخْشَى،فَأَنتَ عَنْهُ تَلَهَّى"(۸۰:۱تا۹)

"اُس نے تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا، کہ آیا اس کے پاس نابینا،اور تمھیں کیا معلوم شاید وہ اپنی اصلاح کرتا، یا نصیحت سنتا تو نصیحت اس کو نفع پہنچاتی، جو بے پروائی برتتا ہے۔اس کے تو تم پیچھے پڑتے ہو، حالانکہ تم پر کوئی ذمہ داری نہیں اگر وہ اپنی اصلاح نہ کرے،اور جو تمھارے پاس شوق سے آتا ہے،اور وہ خدا سے ڈرتا بھی ہے، تو تم اس سے بے پروائی برتتے ہو۔" (ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی)۔

ان آیات میں عام طور پر مفسرینِ کرام میں 'عَبَسَ' کا 'فاعل' حضور ﷺ کو لیتے ہیں۔ یہاں چند معروف مفسرین کا حوالہ دیناکافی ہو گا۔

مولانا امین احسن اصلاحی:

"عبس کا فاعل یہاں مذکور نہیں ہے لیکن آگے کی آیات سے واضح ہو جائے گا کہ فاعل نبی ﷺ ہیں۔ 'اعمیٰ' سے یہاں اشارہ تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ عبداللہ بن ام مکتومؓ کی طرف ہے۔یہ ایک نابینا صحابی تھے۔"[3]

ابوالاعلیٰ مودودی:

---

[1] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، خلاصہ تفسیر، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء، ۶/۶۷۰

Muhammad Shafī, Muftī, *M'ārif-ul-Qur'ān*, Karachi, Maktabah M'ārif-ul-Qur'ān, 2008, 670/6

[2] صلاح الدین یوسف، حافظ، تفسیر احسن البیان، شاہ فہد پرنٹنگ کمپلیکس، سعودی عرب، س ن، ص: ۱۶۸۴

Islāhī,Hafiz Salah-ud-Din, *Tafsīr Ahsan-ul-Bayān*,KSA, Shah Fahad Printing Complex, p.1684

[3] عبدالکریم اثری، عروۃ الوثقیٰ، ۹/۷۴۷

Abdul Karīm Asrī, *Urwah Al-Wusqā*, 747/9

''مفسرین و محدّثین نے بالا تفاق اِس سُورہ کا سببِ نزول یہ بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں مکّہ معظمہ کے چند بڑے سردار بیٹھے ہوئے تھے اور حضورؐ اُن کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش فرما رہے تھے۔ اتنے میں ابنِ اُمِّ مکتوم نامی ایک نابینا صحابی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ سے اسلام کے متعلق کچھ پوچھنا چاہا۔ حضورؐ کو ان کی یہ مداخلت ناگوار ہوئی اور آپؐ نے اُن سے بے رُخی برتی۔ اِس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سُورہ نازل ہوئی۔''[1]

مفتی محمد شفیع:

''ان آیات کے نزول کا قصہ یہ ہے کہ ایک بار نبی ﷺ بعض روسائے مشرکین کو سمجھا رہے تھے، بعض روایات میں ان میں سے بعض کے نام بھی آئے ہیں۔۔۔ شیبہ کہتے ہیں کہ اتنے میں عبداللہ ابن ام مکتوم نابینا صحابی حاضر ہوئے اور کچھ پوچھا، یہ قطع کلام آپ کو ناگوار ہوا اور آپ ﷺ نے ان کی طرف التفات نہیں کیا اور ناگواری کی وجہ سے چیں بجیں ہوئے، جب اس مجلس سے اٹھ کر گھر جانے لگے تو آثارِ وحی کے نمودار ہوئے اور یہ آیتیں عبس وتولی نازل ہوئیں۔''[2]

حافظ صلاح الدین یوسف:

''ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اشراف قریش بیٹھے گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک ام مکتوم جو نابینا تھے، تشریف لے آئے اور آکر نبی ﷺ سے دین کی باتیں پوچھنے لگے۔ نبی ﷺ نے اس پر کچھ ناگواری محسوس کی اور کچھ بے توجہی سی برتی۔ جناچہ تنبیہ کے طور پر ان آیات کا نزول ہوا (ترمذی، تفسیر سورۃ عبس صحیحہ البانی)۔''[3]

ان تفاسیر سے معلوم ہوتا کہ مفسرین نے عبس کا فاعل 'حضور ﷺ' کو مانا ہے، لیکن اگر قرآن مجید کا مطالعہ کیا جائے تو ایک طرف یہ آتا ہے:

''انک لعلیٰ خلق عظیم''(۶۸:۰۴)

''اور اخلاق تمہارے بہت (عالی) ہیں۔'' (ترجمہ، جالندھری)

اسی طرح ایک جگہ ارشاد ہوا ہے:

''وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین''(۲۱:۱۰۷)

''اور (اے محمدؐ) ہم نے تم کو تمام جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔'' (ترجمہ، جالندھری)

---

[1] مولانا سید زوار حسین شاہ، زبدۃ الفقہ، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، اردو بازار، کراچی، اشاعتِ اول، ۲۰۰۷ء، ص: ۳۴
Moulana Syed Zawār Hussain Shah, Zubda-tul-Fiqh, Karachi, Zawār Academy Publications, 1st ed. 2007, p.34

[2] الازہری، پیر محمد کرم شاہ، تفسیر ضیاء القرآن، ۱۹۹۵ء، لاہور، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، ۲۳۱/۱، ۲۳۲
Al-Azharī, Pīr Muhammad Karam Shah, Tafsīr Ziā-ul-Qur'ān, 1995, Lahore, Ziā-ul-Qur'ān Publications, 232/1

[3] عبدالکریم اثری، تفسیر عروۃ الوثقیٰ، ۲/۲۰۰
Abdul Karīm Asrī, *Urwah Al-Wusqā*, 200/2

اور دوسری طرف 'تیوری' جیسے الفاظ حضور ﷺ سے منسوب کیے جاتے ہے، تو تضاد محسوس ہوتا ہے۔ لیکن ان ہی مفسرین میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو یہاں حضور ﷺ کا بہ طورِ فاعل آنا ابی ہی نہیں کرتے بلکہ دلیل کے ساتھ واضح بھی کرتے ہیں کہ یہاں 'عبس' سے مراد قریش کا کوئی سردار ہے، مثلاً صاحبِ تفسیر 'عروۃ الوثقیٰ' لکھتے ہیں:

"بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ کی مجلس میں ایک یا چند لوگ قریش کے سرداروں میں سے بیٹھے ہوئے کہ ابن ام مکتومؓ جو ایک نابینا صحابی تھے۔ عبداللہ بن ام مکتوم ایک غریب خاندان کے فرد تھے جو نہی وہ بھی آپ ﷺ کی مجلس پہنچے تو ان کفار میں سے کسی ایک نے ان کا آنا اور خصوصا ان کے ساتھ بیٹھنا پسند نہ کیا اُس نے آپؐ کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا اور کچھ بڑ بڑایا۔ اُس کی یہ حرکت رسول اللہ ﷺ کو بھی ناگوار گزری لیکن آپ ﷺ نے ازراہ رواداری اُس کافر کو کچھ نہ کہا لیکن اللہ نے آپ ﷺ پر وحی نازل فرمائی اور اِس کافر پر عتاب فرمایا۔ لیکن افسوس ہمارے مفسرین کی اکثریت نے اس کے برعکس یہ قرار دیا کہ عبداللہ بن ام مکتوم کو دیکھ آپ ﷺ نے تیوری چڑھائی اور ناگواری کا اظہار فرمایا اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ ہی کو وہ ڈانٹ پلائی۔ حالانکہ خاکم بدہن کہ میں ایسی بات کہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے نزول سے بہت پہلے آپ ﷺ کے خلقِ عظیم کو بہت وضاحت سے بیان کیا ہے اور پھر اس بات کا صدور آپ ﷺ سے کیسے ممکن ہے جو عام خلق کے بھی خلاف ہو۔ اس لیے ہم اس بات کو صحیح قرار نہیں دیتے اور برملا کہتے ہیں کہ عبوست کا فاعل وہ کافر ہے خواہ وہ کوئی بھی ہے اور کیسا بھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اُس کو ڈانٹ پلائی ہے۔"[1]

عبدالکریم اثری صاحب آیاتِ بالا تفسیر میں اپنے استاذ جناب حافظ عنایت اللہ اثری وزیر آبادی رحمہ اللہ علیہ کی "تفسیر الغبس عن تفسیر سورۃ عبس" کو اپنی تفسیر میں قلم بند کیا ہے۔ حافظ عنایت اللہ اثری صاحب لکھتے ہیں:

"میں کہتا ہوں یہ سب غلط ہے اگر عمر بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ادب مجلس نبوی کے خلاف کوئی حرکت کی ہوتی تو انصاف یہ ہے کہ اللہ پاک اسے ڈانٹتا اور ادب سکھاتا مگر سب کا اتفاق ہے کہ اسے ڈانٹ نہیں ڈانٹ عابس کو ہوئی ہے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ اس سے مراد کافر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی ہرگز نہیں ہے۔ تعجب ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کی بد خلقی کیسے منسوب کردی جو صرف میرے لیے نہیں بلکہ ہر مسلم عقلمند کے نزدیک مسترد ہے کہ اللہ پاک نے آپ ﷺ کو کریمانہ اخلاق سے نوازا ہوا اور آراستہ کیا ہوا ہے۔ اچھا تو اگر یہ عبوسیت و بیوسیت کوئی معمولی بات تھی تو پھر آپ اللہ پاک نے اسے قرآن مجید میں درج فرما کر دنیا میں اتنا مشہور کیوں کردیا۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ سورۃ عبس کا سیاق سورۃ نازعات سے ملتا جلتا ہے کہ اس میں فرعون جیسے بد خلق کے بالمقابل موسیٰؑ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ کے اخلاق فاضلہ کا ذکر ہے کہ اور اس میں ایک متکبر بد خلق رئیس کے بالمقابل رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کے اخلاقِ عالیہ کا بیان ہے پھر پیدائش عالم اور نظام ملک اور امانت واحیاء اور حشر و نشر جنت دوزخ جیسے امور کا مساوی طور پر بیان ہوا ہے

[1] عبدالکریم اثری، عروۃ الوثقیٰ، ۲۰۳/۲

Abdul Karīm Asrī, *Urwah Al-Wusqā*, 203/2

جس سے صاف ظاہر ہے کہ عابس فرعون کا مثیل ہے جو موسیٰؑ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ کے مثیلوں پر عبوسیت وبیوسیت کا اظہار کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ آپ ﷺ کی مجلس ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جو دانش منداور اور سرمایہ دار نہیں۔ جیسے کہ عام طور پر مشہور ہے، میں اسے تسلیم نہیں کرتا کہ رسول اللہ ﷺ نے عبوسیت وبیوسیت فرمائی۔ کیونکہ صحیح مسلم اور ترمذی میں آپ ﷺ کی ہدایت مروی ہے کہ مسلمان مسلمان خندہ پیشانی سے ملاقات کیا کرے کہ یہ بجائے خود ایک نیکی بلکہ صدقہ ہے جب امت کو آپ ﷺ کی یہ ہدایت ہے تو آپ ﷺ کی روش اس کے خلاف کیسے ہو سکتی ہے۔"[1]

ان تمام تفصیلات کے بعد جو باتیں سامنے آتی ہیں وہ کچھ اس طرح سے ہیں:

☆ مفسرین کے نزدیک عام طور پر 'عبس' کا فاعل حضور ﷺ ہیں،

☆ نابینا شخص سے مراد عبد اللہ بن ام مکتومؓ ہیں،

☆ یہاں آپ ﷺ کو تنبیہ کی جارہی ہے،

قرآن اور حضور ﷺ کا اسوۃ اس بات سے ابی کرتے ہیں کیوں کہ:

☆ حضور ﷺ اخلاق کے اعلیٰ درجے پر فائز ہیں،

☆ اللہ پاک نے آپ ﷺ کو کریمانہ اخلاق سے نوازا ہوا اور آراستہ کیا ہوا ہے،

☆ آپ ﷺ نے ہمیشہ اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دی،

☆ آپ ﷺ کے صحابہؓ بھی اخلاقِ حسنہ کی مثال تھے،

☆ آپ ﷺ ہمیشہ خندہ پیشانی سے پیش آنے کی تلقین کی۔

☆ سورۃ عبس کا سیاق وسباق سورۃ النازعات سے ملتا جلتا ہے کہ اس میں فرعون جیسے بد خلق کے بالمقابل موسیٰؑ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ کے اخلاقِ فاضلہ کا ذکر ہے اور اس میں ایک متکبر بد خلق رئیس کے بالمقابل رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کے اخلاقِ عالیہ کا بیان ہے۔

☆ جب آپ ﷺ خندہ پیشانی سے پیش آنے کی تلقین کرتے ہیں تو پھر آپ ﷺ خود ایسے تیوری کیسے دکھا سکتے ہیں،

☆ عبس کا فاعل آپ ﷺ نہیں بلکہ کفار کا کوئی نمائندہ ہے۔ جس کی اکڑ کو اس سورت میں واضح کیا جارہا ہے۔

معجزہ:

اثری صاحب معجزے سے متعلق سر سید، غلام احمد پرویز اور رحمت اللہ طارق کی فکر کے ہم خیال نظر آتے ہیں۔ الفاظ کا ہیر پھیر تو کہا جا سکتا ہے۔

---

[1] عبد الکریم اثری، عروۃ الوثقیٰ، ۲/۲۱۱، ۲۱۲

Abdul Karīm Asrī, *Urwah Al-Wusqā*, 211,212/2

لیکن بحیثیتِ مجموعی معجزہ سے متعلق وہی نقطۂ نظر ہے۔ معجزے کی تعریف عام طور پر اس طرح کی جاتی ہے کہ 'بعض خلاف عادت باتیں اللہ پاک اپنے رسولوں اور نبیوں کے ہاتھ سے ظاہر کرا دیتا ہے، جن کے کرنے سے دنیا کے لوگ عاجز ہوتے ہیں، تاکہ لوگ ان باتوں کو دیکھ کر اسی نبی کی نبوت کو سمجھ لیں، نبیوں اور رسولوں کی ایسی خلاف عادت باتوں کو معجزہ کہتے ہیں۔[1] قرآنِ مجید میں انبیاء کے حوالے سے معجزات تفصیل سے بیان ہوئے ہیں، مثلاً، سیدنا حضرت مسیحؑ کے معجزات سے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِیْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْــــَٔــةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْىِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ“ (۴۹:۳)

”اور بنی اسرائیل کی طرف اپنا رسول مقرر کرے گا (اور جب وہ بحیثیت رسول بنی اسرائیل کے پاس آیا تو اس نے کہا)“میں تمھارے رب کی طرف سے تمھارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں میں تمھارے سامنے مٹی سے پرندے کی صورت میں ایک مجسمہ بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں، وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔ میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتا ہوں اور مردے کو زندہ کرتا ہو میں تمھیں بتاتا ہوں کہ تم کیا کھاتے ہو اور کیا اپنے گھروں میں ذخیرہ کر کے رکھتے ہو۔ اس میں تمھارے لیے کافی نشانی ہے اگر تم ایمان والے ہوں۔“(ترجمہ، مودودی)

اس آیت کی تفسیر 'پیر محمد کرم شاہ الازہری' نے اپنی تفسیر ضیاء القرآن میں بایں الفاظ کی ہے:

> ”حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت غیر معروف طریقہ سے ہوئی تھی جس سے معاندین کو اعتراضات کے کافی مواقع فراہم ہو گئے تھے۔ اور آپ جس قوم کی طرف بھیجے گئے تھے وہ کٹ حجتی میں اپنی مثال آپ تھی اس لیے انھیں کھلے معجزات عطا فرمائے گئے تھے جنھیں دیکھ کر کسی عقل مند کے لیے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ قرآن مجید ان معجزات کو بڑی وضاحت سے بیان فرما رہا ہے اور ان کو لفظ آیت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ معجزات پانچ قسموں پر مشتمل ہیں (۱) مٹی سے پرندے کی تصویر بنا کر اس میں پھونک مار کر زندہ کر دیا کرتے۔ (۲) مادر زاد اندھے کو بینا کر دیتے۔ (۳) کوڑھی کو تندرست کر دیتے۔ (۴) مردوں کو ازسرِ نو زندہ کر دیا کرتے۔ یہ چار قسمیں عملی معجزات کی تھیں۔ پانچویں قسم علمی معجزے کی تھی یعنی غیب کی خبریں دینا۔ آپ بتا دیا کرتے تھے کہ تم نے آج یہ یہ چیزیں کھائی ہیں اور یہ یہ چیزیں اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے آئے ہو۔“[2]

معجزے سے متعلق یہی نقطۂ نظر اسلاف کا ہے، لیکن اثری صاحب اس نقطہ کے برخلاف سر سید اور دوسرے اہل الرائے کے ہم نوا نظر آتے ہیں، مثلاً حضرت عیسیٰؑ کو عطا کیے گئے معجزات کو تمثیل کہا ہے، مذکورہ آیت آیت کی تفسیر میں اثری صاحب لکھتے ہیں:

”اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْــــَٔــةِ الطَّيْرِ --- بِاِذْنِ اللّٰهِ۔

---

[1] عبدالکریم اثری، عروۃ الوثقیٰ، ۵/۷۳۶

Abdul Karīm Asrī, *Urwah Al-Wusqā*, 736/5

[2] ایضاً، ۵/۷۳۴

Ibid, 734/5

"میں تمھارے لیے مٹی سے ایسی چیز بنادوں جو پرندوں کی سی صورت رکھتی ہو پھر اس میں پھونک ماروں اور وہ اللہ کے حکم سے پرندہ ہو جائے۔"

یہ گویا ان نشاناتِ نبوت یعنی "پیغامِ رسالت" میں سے ایک پیغام یا ایک نشانی ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے نشانیاں دی ہیں ان کو تمثیلات میں بیان کیا جاتا رہا ہے۔۔۔کلامِ الٰہی جو لسانِ نبوت سے جاری کیا جاتا رہا ہے اس میں تمثیلات کثرت سے استعمال کی گئیں تا کہ ایک بڑا مضمون چند الفاظ میں بیان کر دیا جائے۔ ہمارے ہاں محاورۃً یوں کہا جاتا ہے کہ "فلاں نے دریا کو کوزے میں بند کر دیا"[1]

مذکورہ آیت میں جو معجزات بیان ہوئے ہیں ان کو اثری صاحب تمثیلی انداز میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مطلب یہ ہوا کہ میں تمھارے لیے غور و فکر اور تفہیم کے لیے تمھاری فطرت اور جبلت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگاتا ہوں کہ جیسے پرندوں میں اڑنے کی قابلیت ہوتی ہے مگر وہ پیدا ہوتے ہی نہیں اڑتے ہاں! کچھ دنوں کے بعد پر پرزے پیدا ہونے پر اڑنے لگتے ہیں۔ اسی طرح تمھارا حال یہ ہے کہ میں تمہارے اندر کلامِ نبوت پھونکتا ہوں تو اس کا اثر لوگوں پر پڑتا ہے۔"[2]

اندھوں کو بینا کرنا اور مردوں کو زندہ کرنا۔

"سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی تمثیلات اور استعارات جن میں مردوں کو زندہ کرنا، جن اندھوں بینا کر دینا، جن کوڑھیوں کو چنگا اور جن کی ہیئت میں پرندوں کی پرواز کا ذکر ہے وہ وہی مراد ہے کہ اندھے اور کوڑھی جن کے علاج کے لیے وحی الٰہی کا بندوبست کیا گیا تھا اور جن کی بیماریوں کے لیے ابو البشر آدم علیہ السلام سے لے کر نبی اعظم و آخر محمد ﷺ تک سارے انبیا کرام مختلف قوموں کے پاس بھیجے جاتے رہے۔"[3]

یہ وہ مشہور معجزات ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کے حوالے سے قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ اثری نہ صرف ان معجزات کو بلکہ قرآن مجید میں جہاں جہاں معجزات بیان ہوئے ہیں انھیں تمثیلی انداز میں بیان کرتے ہیں جیسے، سیدنا موسیٰؑ کو جو یدِ بیضا دیا گیا تھا اسے وہ 'دل سے نکلی ہوئی بات دوسروں کے دلوں پر اثر کرتی ہے'[4] سے تعبیر کرتے ہیں یا 'عصا' جو سانپ بن جاتا تھا 'لاٹھی کے استعارے میں میں حکومت کارفرما ہے، حکومت گر جائے تو لاٹھی، لاٹھی نہیں رہتی بلکہ وہ لاٹھی سانپ بن کر رہ جاتی ہے۔[5]

---

[1] عبدالکریم اثری، عروۃ الوثقیٰ، ۷۴۴/۵

Abdul Karīm Asrī, *Urwah Al-Wusqā*, 744/5

[2] ایضاً، ۷۵۳/۵

Ibid, 753/5

[3] ایضاً، ۷۶۲/۵

Ibid, 762/5

[4] ایضاً، ۷۶۵/۵

Ibid, 765/5

[5] ایضاً، ۷۶۸/۵

Ibid, 768/5

اثری صاحب نے معجزات کی تشریح اسلاف سے ہٹ کر کی ہے، لیکن جو دلائل انھوں نے دیے ہیں قرآنِ مجید کے الفاظ اتنے واضح ہیں کہ ان کے دلائل میں کمزوری نظر آتی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ قرآن مجید میں استعارے، محاورے وغیرہ سب استعمال ہوئے، لیکن جہاں الفاظ اتنے واضح ہوں تو پھر اپنی فکر کو سمونا مشکل معلوم ہوتا ہے جیسا کہ یہاں معجزات کی بحث میں ہوا ہے۔

تفسیر عروۃالوثقیٰ کا ماحصل

تفسیر عروۃالوثقیٰ کا ماحصل کچھ اس طرح سے ہے:

- عروۃالوثقیٰ 'تفسیر بالرائے' کی روشنی میں لکھی گئی ایک تفسیر ہے،
- اثری صاحب نے ترجمہ کے لیے مولانا ابوالکلام آزاد سے استفادہ کیا ہے،
- اثری صاحب ناسخ و منسوخ کے قائل نہیں ہیں، جب کہ صاحبِ تفسیر تبیان القرآن 'علامہ غلام رسول سعیدی' کے بہ قول 'نسخ احکام میں تخفیف کے لیے واقع ہوا ہے،
- اثری صاحب اہلِ کتاب کے ساتھ کھانے میں حلت کی شرط نہیں لگاتے،
- عبس کا فاعل رسول اللہ نہیں بلکہ قریش کا کوئی نمائندہ ہے،
- معجزہ سے متعلق اسلاف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ خلاف عادت کوئی ایسا واقعہ جو نبی علیہ السلام سے ظہور ہو، جب کہ اثری صاحب اس معاملے میں سر سید، غلام احمد پرویز کے ہم خیال نظر آتے ہیں۔

تبصرہ:

تفسیر عروۃالوثقیٰ کو بہ حیثیتِ مجموعی دیکھا جائے تو یہ تفسیر بالرائے کی ایک اعلیٰ ترین مثال ہے، اگرچہ اثری صاحب اپنی تفسیر میں روایات بھی لے کر آئے ہیں، لیکن رائے کا زیادہ غلبہ رہا۔ مولانا آیت کی تفسیر کرتے وقت نفس مضمون کو پرکھتے ہیں پھر اپنی تفسیر میں لاتے ہیں جہاں درایتاً کوئی بات ہو، وہاں کھل کر دلائل دیتے ہیں۔